امتحانی مشق نمبر 2

(یونٹ 7 تا 9)

سوال 1- ڈراما ''انارکلی'' بغور پڑھیے اور پھر بتائیے کہ (20)

1- ڈراما ''انارکلی'' کی اردو ادب میں کیا اہمیت ہے؟

2- دلارام کس قسم کا کردار ہے منفی یا مثبت؟

3- اکبر بحیثیت بادشاہ کس طبیعت کا مالک ہے؟

4- ڈرامے میں سلیم کے کردار کے حوالے سے کیا کمیاں اور کوتاہیاں دکھائی گئی ہیں؟

5- ڈراما ''انارکلی'' کا پلاٹ کیسا ہے؟

سوال 2- (الف) طنز و مزاح کا ادبی مفہوم بیان کیجیے۔ (20)

(ب) مزاحیہ مضمون مرید پور کے پیر میں مرید پور کے پیر کے کردار کا تنقیدی تجزیہ تحریر کیجیے۔

سوال 3- ''جنون لطیفہ'' میں مشتاق احمد یوسفی نے کس سماجی اور انسانی مسئلے کو مزاحیہ انداز سے بیان کیا ہے؟ (20)

سوال 4- نظم خضر راہ کا فکری و فنی تجزیہ پیش کیجیے۔ (20)

سوال 5- جواب خضر حصہ دوم کے بند نمبر ۲ بعنوان ''اندگی'' کے اشعار کی تشریح اپنے الفاظ میں کیجیے۔ (20)

ANS 01

1

ڈراما **انار کلی** کی کہانی کا بنیادی خیال، محبت اور سلطنت کے درمیان تصادم اور کشمکش پر مبنی ہے۔ اس طرح اس ڈرامے میں رومانیت، رعب داب، جلال و جمال اور بے پناہ قوت کھوٹ کھوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ لیکن درحقیقت محبت بذات خود ایک بڑی طاقت ہے۔ صرف نام کا ہیر پھیر ہے۔ چنانچہ قوت اقتدار اور قوت جذبات کا ٹکرائو جب ہوتا ہے تو ہر طرف اداسی ہی اداسی اور سوگ ہی سوگ چھا جاتا ہے۔

2

دلارام شہزادہ سلیم کی پہلی منظور نظر اور محل سرا کی خاص کنیز ہے۔ لیکن سلیم سے انار کلی کے تعلقات قائم ہونے کے بعد آتش رقابت سے بری طرح جل رہی ہے۔ وہ شہزادے پر آنچ نہیں آنے دینا چاہتی۔ مگر انار کلی کو بہر صورت تباہ کرنے پر ادھار کھائے بیٹھی ہے۔ اس کے کردار اور جذبہ رقابت کو ظاہر کرنے کے لیے تاج نے صرف ایک جملے سے کام لیا ہے۔ اس وقت دل آرام جشن نوروز کے لیے زبردست تیاری کر رہی ہے۔ اور سازشوں کے جال پھیلانے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ کہ ایک واقف حال کنیز اس سے پوچھتی ہے، '' پھر آخر کے ا کرو گی؟ دلا آرم جواب دیتی ہے (ناگن کی دم پر کوئی پاؤں رکھ لے تو وہ کیا کرتی ہے۔

3

Downloaded From Talassus.com

اکبر کے سینے میں باپ کا دل ہے لیکن وہ اپنے ولی عہد سلیم کو پختہ عمل کا مالک اور شاہانہ جاہ و جلال کا پیکر دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ سلیم کو شیخو کی حیثیت سے بلاشبہ ٹوٹ کر پیار کرتا ہے لیکن ولی عہد کی حیثیت سے وہ اسے ملک گیری اور جہاں بانی کے جوہر سے متصف دیکھنے کا آرزو مند ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ ولی عہد اپنی ایک ادنی کنیز کے سر پر محبت کا آنچل ڈالے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اکبر سلیم کی شادی کسی ایسی جگہ کرانا چاہتا ہے جہاں سلیم کے سے اسی ہاتھ مضبوط ہو سکیں۔

4

سلیم انار کلی کا شیدائی تو ہے لیکن دل و جاں سے نہیں ایسا لگتا ہے کہ اس کے جسم میں گداز ہے لیکن دل اس دولت سے یکسر خالی ہے۔ بیشک وہ باتوں کے بے شمار گھوڑے دوڑاتا ہے مثال کے طور پر: "اللہ پھر یہ سہمی ہوئی محبت کب تک راز رہے گی۔ مہجور دل یونہی چپ چاپ دیکھا کرے گا۔ "

سلیم کے آخری جملے نہ صرف سلیم کے مستقبل کے متعلق ممکنہ اندیشوں کا اظہار ہے بلکہ اس سے اس کی قلبی کیفیت اور فطرت کی جانب بھی ایک واضح اشارہ ملتا ہے کہ اسے محبت کے مقابلے میں شہنشاہی کی کوئی اہمیت معلوم نہیں ہوتی۔ آگے چل کر سلیم کی یہ گفتگو اس کے کردار کی وضاحت کرتی ہے۔

5

مگر جہاں تک انار کلی کے پلاٹ کی تاریخی سند کا تعلق ہے تو اس لحاظ سے یہ قصہ بے بنیادنظرآتا ہے۔ وہ اس لیے کہ امتیاز علی تاج خود کہتے ہیں، " میرے ڈرامے کا تعلق محض روایات سے ہے بچپن سے نار کلی کی فرضی کہانی کے سنتے رہنے سے حسن و عشق، ناکامی و نامرادی کا جو ڈراما میرے تخیل نے مغلیہ حرم کے شان و شوکت میں دیکھا اس کا اظہار ہے۔ "

بہر حال اگر اس ڈرامے کی تاریخی اہمیت سے ہٹ کر دیکھا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انار کلی فنی عروج اور دلفریب ادبیت کاخوبصورت امتزاج ہے۔ خوبی زبان، بندش الفاظ، چست مکالمات اور برجستگی جیسے ڈرامائی لوازمات نے ا س تخلیق میں ایک شان او ر وقار اور سربلندی پیدا کی ہے۔ آئیے ڈرامے کی فنی فکری خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں۔

ANS 02

1

طنز و مزاح کو اردو ادب میں عموماً ہم معنوں میں لیا اور ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ طنز اور مَزاح میں فرق ہے۔ دونوں کی اپنی اپنی حدود ہیں، لیکن اس کے باوجود اکثر

Downloaded From Tajassus.com

ایک دوسرے کے متوازی بھی چل رہے ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کی سرحدیں ایک دوسرے سے ایسے ملی ہوتی ہیں کہ ان کو الگ کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ طنز سے مراد طعنہ، ٹھٹھہ، تمسخر یا رمز کے ساتھ بات کرنا ہے، جب کہ مَزاح سے خوش طبعی، مذاق یا ظرافت مراد لیا جاتا ہے۔

عام طور پر طنز اور مَزاح کے الفاظ کو ملا کر بطور ایک مرکب کے استعمال کیا جاتا ہے، مگر یہ دو مختلف المعانی الفاظ ہیں۔ مَزاح کے لفظی معنی ہنسی مذاق، جب کہ طنز کے معنی طعنہ یا چھیڑ کے ہیں۔[1]

ایسی تحاریر جو آپ کو ہنسنے پر مجبور کر دیں اور اس تحریر میں تنقید کو مَزاح کا جامہ پہنا دیا جائے لیکن اس کے باوجود بھی قاری ہنسنے پر مجبور ہوجائے طنز و مزاح کہلاتی ہیں۔طنز و مَزاح کی ایک مقبول صنف لطیفہ ہے۔ محمد انور بٹ ہندیو شوپیان۔

عام طور پر طنز و مزاح کو ادب کی ایک صنف قرار دیا جاتا ہے لیکن یہ صنف نہیں بلکہ اسلوب یا تکنیک ہے جس کی اپنی کوئی ہیئت نہیں، یہ نظم و نثر کی تمام اصناف میں استعمال کی جاتی ہے۔

یہ دونوں الفاظ عموماً ایک ساتھ برتے جاتے ہیں لیکن ان کے معنیٰ و مقصد اور طرزِ بیان میں لطیف سا فرق ہوتا ہے۔ جس طرح طنز فرد اور سماج کی کم زوریوں، تضاد، توہّم، جبر، فرسودہ خیالی اور بدصورتیوں کی گرفت کرتا ہے اور فرد و سماج کی اخلاقی و سماجی اصلاح کا فریضہ انجام دیتا ہے، اسی طرح مزاح بھی صرف ہنسانے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہیں رکھتا۔ مزاح فرد کی ناہمواریوں کو اس طرح بے نقاب کرتا ہے کہ قارئین کھلکھلا کر ہنس پڑتے ہیں۔

لیکن ہنسنے والے صرف ایک لمحے کے لیے ہنس دینے پر ہی اکتفا نہیں کرتے۔ درپردہ ان خامیوں کی اصلاح کی طرف بھی رجوع ہوتے چلے جاتے ہ یں، جن کو نشانۂ طنز بنایا گیا ہوتا ہے اور سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

طنز و مزاح کی اہمیت اسی بنا پر ہے کہ یہ ادب میں سماج کا ترجمان ہوتا ہے اور اس کی اصلاح کا کام انجام دیتا ہے۔

طنز و مزاح کی مختلف قسمیں ہیں جیسے ہزل، تمسخر، استہزا، تضحیک، نوک جھونک، ہجو، پھبتی پھکڑ، لعن طعن، سب و شتم، ملیح مذمت، مضحکات، تعریض، تنقیص، جگت، فقرہ بازی، لطائف، پیروڈی اور آئرنی وغیرہ۔ واضح رہے کہ جب ہم اردو ادب میں طنز و مزاح کی بات

Downloaded From Tajassus.com

کرتے ہیں تو ہمارا مقصد ادبی طنزومزاح ہوتا ہے۔ پھکڑ پن، چٹکلے بازی، یاوہ گوئی، لطیفہ سازی جس میں ابتذال اور رکاکت ہو، ادبی طنز و مزاح کے زمرے میں نہیں آتے۔

اردو نثر میں طنز و مزاح کی باضابطہ روایت کا آغاز اگرچہ ''اودھ پنچ'' (1877ء) سے ہوتا ہے، لیکن اس کے ابتدائی نقوش بہت پہلے سے ہی نظر آتے ہیں۔

طنز ایک شدید ، تیز اور بے دردانہ قسم کی تنقید ہے جس میں کسی چیز کے برے پہلو کو اس قدر نمایاں کر دیا جاتا ہے کہ یا تو اس چیز کے اچھے پہلو خود بخود نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں یا پھر برے پہلو اس قدر چمکا کر پیش کئے جاتے ہیں کہ اچھے پہلو ماند پڑ جاتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ طنز کی شدت ، تیزی اور تلخی کسی اچھے اور بڑے مقصد کے لئے ہوتی ہے، اسی لئے گوارہ کر لی جاتی ہے۔ طنز براہ راست نہیں کیا جاتا بلکہ اسے مزاح کے پردے میں چھپا کر پیش کیا جاتا ہے۔جیسے اُردو ادب کا مزاحیہ کردار "چچا چھکن" جو اپنی مزاحیہ حرکات سے ہنسی کی تحریک کرتا ہے۔ اس کے بر عکس جب معاشرہ مجموعی طور پر بگڑنے لگتا ہے اور مزاح نگار کا یہ احساس شدت اختیار کر جاتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں تو اس وقت وہ انسانیت سے متنفر ہو جاتا ہے اور طنز پر اُتر آتا ہے اور یہی طنز جب شدت اختیار کر لیتی ہے تو اپنی قوت کھو دیتی ہے اور مذمت بن جاتی ہے۔ مزاح نگار کے دل میں فرد اور معاشرے کے لئے رحم اور محبت کا جذبہ ہوتا ہے جبکہ طنز نگار کے دل میں نفرت اور دشمنی کا۔

2

اکثر لوگوں کو اس بات کا تعجب ہوتا ہے کہ میں اپنے وطن کا ذکر کبھی نہیں کرتا۔ بعض اس بات پر بھی حیران ہیں کہ میں اب کبھی اپنے وطن کو نہیں جاتا۔ جب کبھی لوگ مجھ سے اس کی وجہ پوچھتے ہیں تو میں ہمیشہ بات کو ٹال دیتا ہوں۔ اس سے لوگوں کو طرح طرح کے شبہات ہونے لگتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے وہاں اس پر ایک مقدمہ بن گیا تھا اس کی وجہ سے روپوش ہے۔ کوئی کہتا ہے وہاں کہیں ملازم تھا، غبن کا الزام لگا، ہجرت کرتے ہی بنی۔ کوئی کہتا ہے والد اس کی بدعنوانیوں کی وجہ سے گھر میں نہیں گھسنے دیتے۔ غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ آج میں ان سب غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے والا ہوں۔ خدا آپ پڑھنے والوں کو انصاف کی توفیق دے۔

قصہ میرے بھتیجے سے شروع ہوتا ہے۔ میرا بھتیجا دیکھنے میں عام بھتیجوں سے مختلف نہیں۔ میری تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ نئی پود سے تعلق رکھنے کے باعث اس میں بعض فالتو اوصاف نظر آتے ہیں لیکن ایک صفت تو اس میں ایسی ہے کہ آج تک ہمارے خاندان میں اس شدت کے ساتھ کبھی رونما نہیں ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ بڑوں کی عزت کرتا

Downloaded From Tajassus.com

ہے اور میں تو اس کے نزدیک بس علم وفن کا ایک دیوتا ہوں۔ یہ خبط اس کے دماغ میں کیوں سمایا ہے؟ اس کی وجہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ نہایت اعلی سے اعلی خاندانوں میں بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آجاتا ہے۔ میں شائستہ سے شائستہ دو زمانوں کے فرزندوں کو بعض وقت بزرگوں کا اس قدر احترام کرتے دیکھا، کہ ان پر پنچ ذات کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔

ایک سال میں کانگریس کے جلسے میں چلا گیا بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کانگریس کا جلسہ میرے پاس چلا آیا۔ مطلب یہ کہ جس شہر میں، میں موجود تھا وہیں کانگریس والوں نے بھی اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرنے کی ٹھان لی۔ میں پہلے بھی اکثر جگہ اعلان کرچکا ہوں اور اب میں بیانگ دہل یہ کہنے کو تیار ہوں کہ اس میں میرا ذرا بھی قصور نہ تھا۔ بعض لوگوں کو یہ شک ہے کہ میں نے محض اپنی تسکین نخوت کے لیے کانگریس کا جلسہ اپنے پاس ہی کرا لیا لیکن یہ محض حاسدوں کی بدطینتی ہے۔ بھانڈوں کو میں نے اکثر شہر میں بلوایا ہے۔ دو ایک مرتبہ بعض تھیٹروں کو بھی دعوت دی ہے لیکن کانگریس کے مقابلے میں میرا رویہ ہمیشہ ایک گمنام شہری کا سا رہا ہے۔ بس اس سے زیادہ میں اس موضوع پر کچھ نہ کہوں گا۔

جب کانگریس کا سالانہ جلسہ بغل میں ہو رہا ہو تو کون ایسا متقی ہوگا جو وہاں جانے سے گریز کرے، زمانہ بھی تعطیلات اور فرصت کا تھا چنانچہ میں نے مشغل بیکاری کے طور پر اس جلسے کی ایک ایک تقریری سنی۔ دن بھر تو جلسے میں رہتا۔ رات کو گھر آکر اس دن کے مختصر سے حالات اپنے بھتیجے کو لکھ بھیجتا تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بھتیجے صاحب میرے ہر خط کو بیحد ادب واحترام کے ساتھ کھولتے، بلکہ بعض بعض باتوں سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس افتتاحی تقریب سے پیشتر وہ باقاعدہ وضو بھی کرلیتے۔

خط کو خود پڑھتے پھر دوستوں کو سناتے۔ پھر اخباروں کے ایجنٹ کی دکان پر مقامی لال بجھکڑوں کے حلقے میں اس کو خوب بڑھا چڑھا کر دہراتے پھر مقامی اخبار کے بیحد مقامی ایڈیٹر کے حوالے کردیتے جو اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپ دیتا۔ اس اخبار کا نام "مریدپور گزٹ" ہے۔ اس کا مکمل فائل کسی کے پاس موجود نہیں، دو مہینے تک جاری رہا۔ پھر بعض مالی مشکلات کی وجہ سے بند ہوگیا۔

ایڈیٹر صاحب کا حلیہ حسب ذیل ہے۔ رنگ گندمی، گفتگو فلسفیانہ، شکل سے چور معلوم ہوتے ہیں۔ کسی صاحب کو ان کا پتہ معلوم ہو تو مریدپور کی خلافت کمیٹی کو اطلاع پہنچادیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ نیز کوئی صاحب ان کو ہرگز ہرگز کوئی چندہ نہ دیں ورنہ خلافت کمیٹی ذمہ دار نہ ہوگی۔

Downloaded From Tajassus.com

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس اخبار نے میرے ان خطوط کے بل پر ایک کانگریس نمبر بھی نکال مارا۔ جو اتنی بڑی تعداد میں چھپا کہ اس کے اوراق اب تک بعض پنساریوں کی دکانوں پر نظر آتے ہیں۔ بہرحال مریدپور کے بچے بچے نے میری قابلیت، انشا پردازی، صحیح الدماغی اور جوش قومی کی داد دی۔ میری اجازت اور میرے علم کے بغیر مجھ کو مریدپور کا قومی لیڈر قرار دیا گیا۔ ایک دو شاعروں نے مجھ پر نظمیں بھی لکھیں۔ جو وقتا فوقتا مریدپور گزٹ میں چھپتی رہیں۔

میں اپنی اس عزت افزائی سے محض بیخبر تھا۔ سچ ہے خدا جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے، مجھے معلوم تھا کہ میں اپنے بھتیجے کو محض چند خطوط لکھ کر اپنے ہم وطنوں کے دل میں اس قدر گھر کرلیا ہے اور کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ معمولی سا انسان جو ہر روز چپ چاپ سر نیچا کئے بازاروں میں سے گزر جاتا ہے مرید پور میں پوجا جاتا ہے۔ میں وہ خطوط لکھنے کے بعد کانگریس اور اس کے تمام متعلقات کو قطعاً فراموش کرچکا تھا۔ مریدپور گزٹ کا میں خریدار نہ تھا۔ بھتیجے نے میری بزرگی کے رعب کی وجہ سے بھی برسبیل تذکرہ اتنا بھی نہ لکھ بھیجا کہ آپ لیڈر ہوگئے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے یوں کہتا تو برسوں تک اس کی بات میری سمجھ میں نہ آتی بہرحال مجھے کچھ تو معلوم ہوتا کہ میں ترقی کرکے کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوں۔

کچھ عرصے بعد خون کی خرابی کی وجہ سے ملک میں جابجا جلسے نکل آئے جس کسی کو ایک میز، ایک کرسی اور گلدان میسر آیا اسی نے جلسے کا اعلان کردیا۔ جلسوں کے اس موسم میں ایک دن مریدپور کی انجمن نوجوانان ہند کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا ایک حظ موصول ہوا کہ آپ کے شہر کے لوگ آپ کے دیدار کے منتظر ہیں۔ ہر کہ دمہ آپ کے روئے انور کو دیکھنے اور آپ کے پاکیزہ خیالات سے مستفید ہونے کیلیے بیتاب ہیں۔ مانا ملک بھر کو آپ کی ذات بابرکات کی ازحد ضرورت ہے۔ لیکن وطن کا حق سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ "خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر--" اسی طرح کی تین چار براہین قطعہ کے بعد مجھ سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ آپ یہاں آ کر لوگوں کو ہندو مسلم اتحاد کی تلقین کریں۔

خط پڑھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن جب ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کیا تو رفتہ رفتہ باشندگان مریدپور کی مردم شناسی کا قائل ہو گیا۔

میں ایک کمزور انسان ہوں اور پھر لیڈری کا نشہ ایک لمحے ہی میں چڑھ جاتا ہے۔ اس لمحے کے اندر مجھے اپنا وطن بہت ہی پیارا معلوم ہونے لگا۔ اہل وطن کی بے حسی پر بڑا ترس آیا۔ ایک آواز نے کہا کہ ان بیچاروں کی بہبودی اور رہنمائی کا ذمہ دار تو ہی ہے۔ تجھے خدا نے تدبر کی قوت بخشی ہے۔ ہزارہا انسان تیرے منتظر ہیں۔ اٹھ کہ سینکڑوں لوگ تیرے لیے ماحضر لئے

Downloaded From Tajassus.com

بیٹھے ہونگے۔ چنانچہ میں نے مریدپور کی دعوت قبول کرلی اور لیڈرانہ انداز میں بذریعہ تار اطلاع دی، کہ پندرہ دن کے بعد فلاں ٹرین سے مریدپور پہنچ جاؤں گا، اسٹیشن پر کوئی شخص نہ آئے۔ ہر ایک شخص کو چاہئے کہ اپنے اپنے کام میں مصروف رہے۔ ہندوستان کو اس وقت عمل کی ضرورت ہے۔

ANS 03

کچھ دن ہوئے ایک مڈل فیل خانساماں ملازمت کی تلاش میں آنکلااورآتے ہی ہمارانام اورپیشہ پوچھا۔پھرسابق خانساماوں کے پتے دریافت کیے۔نیزیہ کہ آخری خانساماں نے ملازمت کیوں چھوڑی؟باتوں باتوں میں انھوں نے یہ عندیہ بھی لینے کی کوشش کی کہ ہم ہفتے میں کتنی باہرمدعوہوتے ہیں اورباورچی خانے میں چینی کے برتنوں کے ٹوٹنے کی آوازسے ہمارے اعصاب اوراخلاق پرکیااثرمرتب ہوتاہے۔ایک شرط انھوں نے یہ بھی لگائی اگرآپ گرمیوں کی چھٹیوں میں پہاڑپرجائیں گے تو پہلے"عوضی مالک"پیش کرناپڑے گا۔ کافی رودکدکے کے بعدہمیں یوں محسوس ہونے گاجیسے وہ ہم میں وہی خوبیاں تلاش کررہے ہیں جوہم ان میں ڈھونڈرہے تھے۔یہ آنکھ مچولی ختم ہوئی اورکام کے اوقات کاسوال آیاتوہم نے کہاکہ اصولاًہمیں محنتی آدمی پسندہیں۔خوبیگم صاحبہ صبح پانچ بجے سے رات کے دس بجے تک گھرکے کام کاج میں جٹی رہتی ہیں۔کہنے لگے"صاحب!ان کی بات چھوڑئیے۔وہ گھرکی مالک ہیں۔میں تونوکرہوں!"ساتھ ہی ساتھ انھوں نے یہ وضاحت بھی کردی کہ برتن نہیں مانجھوں گا۔ جھاڑونہیں دوں گا۔ایش ٹرے صاف نہیں کروں گا۔میزنہیں لگاوں گا۔دعوتوں میں ہاتھ نہیں دھلاوں گا۔

ہم نے گھبراکرپوچھا"پھرکیاکروگے؟"

"یہ توآپ بتائیے۔کام آپ کولینا ہے۔میں توتابع دارہوں۔"

جب سب باتیں حسب منشاءضرورت (ضرورت ہماری،منشاان کی)طے ہوگئیں توہم نے ڈرتے ڈرتے کہاکہ بھئی سوداسلف لانے کے لیے فی الحال کوئی علیٰحدہ نوکرنہیں ہے۔اس لیے کچھ دن تمھیں سودابھی لاناپڑے گا۔تنخواہ طے کرلو۔

فرمایا"جناب !تنخواہ کی فکرنہ کیجئے۔پڑھالکھاآدمی ہوں۔کم تنخواہ میں بھی خوش رہوں گا۔"

"پھربھی؟"

کہنے لگے"پچھترروپے ماہوارہوگی۔لیکن اگرسودابھی مجھی کولاناپڑاتوچالیس روپے ہوگی!"

ان کے بعدایک ڈھنگ کاخانساماں آیامگربے حددماغ دارمعلوم ہوتاتھاہم نے اس کاپانی اتارنے کی غرض سے پوچھا"مغلئی اورانگریزی کھانے آتے ہیں؟"

"ہرقسم کاکھاناپکاسکتاہوں۔حضورکاکس علاقے سے تعلق تھا؟"

Downloaded From Tajassus.com

ہم نے صحیح صحیح بتادیا۔جھوم ہی توگئے۔کہنے لگے"میں بھی ایک سال ادھرکاٹ چکاہوں۔وہاں کے باجرے کی کھچڑی کی تودوردھوم ہے۔" مزیدجرح کی ہم میں تاب نہ تھی۔لہٰذاانھوں نے اپنے آپ کوہمارے ہاں ملازم رکھ لیا۔دوسرے دن پڈنگ بناتے ہوئے انھوں نے یہ انکشاف کیاکہ میں نے بارہ سال انگریزوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں،اس لیے بیٹھ کرچولہانہیں جھونکوں گا۔مجبوراًکھڑے ہوکرپکانے کاچولہابنوایا۔ان کے بعدجوخانساماں آیا،اس نے کہاکہ میں چپاتیاں بیٹھ کرپکاوں گا۔مگربرادے کی انگیٹھی پر۔چنانچہ لوہے کی انگیٹھی بنوائی۔تیسرے کے لیے چکنی مٹی کاچولھابنواناپڑا۔چوتھے کے مطالبے پرمٹی کے تیل سے جلنے والاچولھاخریدا۔اورپانچواں خانساماں اتنے سارے چولھے دیکھ کرہی بھاگ گیا۔

اس ظالم کانام یادنہیں آرہا۔البتہ صورت اورخدوخال اب تک یادہیں۔ابتدائے ملازمت سے ہم دیکھ رہے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ کاپکاہواکھانانہیں کھاتا،بلکہ پابندی سے ملباری ہوٹل میں اکڑوں بیٹھ کردوپیسے کی چٹ پٹی دال اورایک آنے کی تنوری روٹی کھاتاہے۔آخرایک دن ہم سے نہ رہاگیااورہم نے ذراسختی سے ٹوکاکہ"گھرکاکھاناکیوں نہیں کھاتے؟" تنک کربولا"صاحب!ہاتھ بیچاہے،زبان نہیں بیچی!" اس نے نہایت مختصرمگرغیرمبہم الفاظ میں یہ واضح کردیاکراگراسے اپنے ہاتھ کاپکاکھاناکھانے پرمجبورکیاگیاتووہ فوراًاستعفٰے دے دے گا۔اس کے رویے سے ہمیں بھی شبہ ہونے لگاکہ وہ واقعی خراب کھاناپکاتاہے۔نیزہم اس منطقی نتیجے پرپہنچے کہ دوزخ میں گنہگارعورتوں کوان کے اپنے پکائے ہوئے سالن زبردستی کھلائے جائیں گے۔اسی طرح ریڈیووالوں کوفرشتے آتشیں گرزمارماران ہی کے نشترکیے ہوئے پروگراموں کے ریکارڈسنائیں گے۔ہم کھانے کے شوقین ہیں،خوشامدکے بھوکے نہیں(گوکہ اس سے انکارنہیں کہ اپنی تعریف سن کرہم اپنابنیان تنگ معلوم ہونے لگتاہے)۔ہم نے کبھی یہ توقع نہیں کی کہ باورچی کھاناپکانے کے بجائے ہمارے گن گاتاہے۔لیکن اس کایہ مطلب بھی نہیں کہ وہ چوبیس گھنٹے اپنے مرحوم اورسابق آقاوں کاکلمہ پڑھتارہے۔جب کہ اس توصیف کااصل مقصدہمیںجلاناورخوبیوںکی طرف توجہ دلاناہوتاہے جوہم میں نہیںہیں۔اکثراوقات بے تحاشاجی چاہتاہے کہ کاش ہم بھی مرحوم ہوتے تاکہ ہمارا ذکربھی اتنے ہی پیارسے ہوتا۔بعض نہایت قابل خانساماوں کومحض اس دوراندیشی کی بناپرعلیٰحدہ کرناپڑاکہ آئندہ وہ کسی اورکانمک کھاکرہمارے حق میں پروپیگنڈہ کرتے رہیں۔جوشخص بھی آتاہے یہی دعوی کرتاہے کہ اس کے سابق آقانے اسے سیاہ وسفیدکامالک بنارکھاتھا(یہاں یہ بتانابے محل نہ ہوگاکہ اصولی طورپرہم خود بھی ہمیشہ دوسروں پربھروسہ کرتے ہیں لیکن ریزگاری ضرورگن لیتے ہیں)۔ایک خانساماں نے ہمیں مطلع کیاکہ اس

Downloaded From Tajassus.com

کاپچھلا"صاب"اس قدرشریف آدمی تھاکہ ٹھیک سے گالی تک نہیں دے سکتاتھا۔ ہم نے جل کرکہا"پھرتم نے نوکری کیوں چھوڑی؟" تڑپ کربولے"کون کہتاہے کہ خدابخش نے نوکری چھوڑی ؟قصہ دراصل یہ ہے کہ میری پانچ مہینے کی تنخواہ چڑھ گئی تھی۔اوراب آپ سے کیاپردہ؟سچ تویہ کہ ان کے گھرکاخرچ بھی میں ردی اخباراوربیئر کی خالی بوتلیں بیچ کرچلارہاتھا۔انھوں نے کبھی حساب نہیں مانگا۔پھرانھوں نے ایک دن میری صورت دیکھ کرکہاکہ خدابخش!تم بہت تھک گئے ہو۔دودن کی چھٹی کرواوراپنے صحت بناو۔'دودن بعدجب میں صحت بناکرلوٹاتوگھرخالی پایا۔پڑوسیوں نے بتایاکہ تمھاراصاب توپرسوں ہی ساراسامان باندھ کرکہیں اورچلاگیا۔"یہ قصہ سنانے کے بعداس نمک حلال نے ہم سے پیشگی تنخواہ مانگی تاکہ اپنے سابق آقاکے مکان کاکرایہ اداکرسکے۔ گزشتہ سال ہمارے حال پررحم کھاکرایک کرم فرمانے ایک تجربہ کارخانساماں بھیجا۔جوہرعلاقے کے کھانے پکاناجانتاتھاہم نے "بھئی اورتوسب ٹھیک ہے مگرتم سات مہینے میں دس ملازمتیں چھوڑچکے ہو۔یہ کیابات ہے؟" کہنے لگے"صاب!آج کل وفادارمالک کہاں ملتاہے؟" اسی دن شام کو ہم نے گھبراکرپوچھاکہ دال میں پرانے جوتوں کی بوکیوں آرہی ہے؟ جواب میں انھوں نے ایک دھوا ں دھارتقریرکی جس کالب لباب یہ تھاکہ مارداڑی سیٹھوں کے پھلنے پھولنے اورپھیلنے کارازبینگ میں مضمرہے۔ اوردوسرے دن جب ہم نے دریافت کیاکہ بندہ خدایہ چپاتی ہے یادسترخوان؟ توہنس کربولے کہ وطن مالوف میں روٹی کے حدوداربعہ یہی ہوتے ہیں۔ آخرکئی فاقوں کے بعدایک دن ہم نے بہ نظرحوصلہ افزائی کہا: "آج تم نے چاولوں کااچھابنایاہے۔" دہکتے ہوئے توے سے بیڑی سلگاتے ہوئے بولے"بندہ پروری ہے!کاٹھیاواڑی پلاومیں قورمے کے مسالے پڑتے ہیں!" "خوب !مگریہ قورمے کامزہ تونہیں!" "وہاں قورمے میں اچارکامسالہ ڈالتے ہیں!" پھرایک دن شام کے کھانے پرمرزانے ناک سکیڑکرکہا"میاں!کیاکھیرمیں کھٹملوں کابگھاردیاہے؟" سفیددیوارپرکوئلے سے سودے کاحساب لکھتے ہوئے حقارت سے بولے "آپ کومعلوم نہیں؟ شاہان اودھ لگی ہوئی فیرنی کھاتے تھے؟" "مگرتم نے دیکھاکیاانجام ہےواودھ کی سلطنت کا؟" مختصریہ کہ ڈیڑھ مہینے تک وہ صبح وشام ہمارے ناپخت ذوق وذائقہ کوسنوارتااورمشروبات

Downloaded From Tajassus.com

وماکولات سے وسیع المشربی کادرس دیتارہا۔آخرآخرمیں مرزاکوشبہ ہوچلاتھاکہ وہ غیرملکی ایجنٹ ہے جوسالن کے ذریعے صوبائی غلط فہمیاں پھیلارہاہے۔

ANS 04

''خضرِراہ'' علامّہ اقبال نے انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے ۳۷ ویں سالانہ جلسے، منعقدہ ۱۶ اپریل ۱۹۲۲ئ، میں ترنم سے پڑھ کر سنائی - یہ جلسہ اسلامیہ ہائی سکو ل شیراں والا گیٹ میں منعقد ہوا تھا۔ چودھری محمد علی بتاتے ہیں: '' جلسے سے چند روز قبل ان کی طبیعت ناساز تھی، مگر عین جلسے کے دن ان کی طبیعت سنبھل گئی۔ جلسے میں تشریف لائے۔ اگرچہ بوجہ نقاہت مسند پر بیٹھ کر نظم ' خضر راہ ' سنائی لیکن آواز میں وہی سوزر اور لہجے میں وہی تاثیر تھی''۔ (سیارہ : اقبال نمبر۱۹۶۳ئ: ص۳۰)

''خضرراہ'' کو اقبال نے نہایت دردر انگیز لَے میں پڑھا تھا۔ غلام رسول مہر کا بیان ہے کہ :'' یہ نظم سننے کے لیے بے شمار آدمی جمع ہو گئے تھے... پورا مجمع بیس ہزار سے کم نہ ہوگا۔ بعض اشعار پر اقبال خودبھی بے اختیار روئے اور مجمع بھی اشک بار ہو گیا۔ بیان کیا جاتاہے کہ اقبال پر جتنی رقت '' خضر راہ '' پڑھنے کے دوران میں طاری ہوئی ،اتنی کسی نظم کے دوران میں نہ ہوئی ''۔ (مطالب بانگِ درا: ص ۳۰۶) بعض دوسری نظموںکے برعکس '' خضرراہ''پہلے سے شائع نہیں کی گئی۔ اقبال کے پاس نظم کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا، تاہم نظم کا زیادہ ترحصہ انھوں نے حافظے کی مدد سے زبانی سنایا۔ نظم کی ابتدائی شکل میں چھٹے بند کا چوتھا شعر:

نوعِ انسانی کے لیے سب سے بڑی لعنت یہ ہے
شاہ راہِ فطرت اللہ میں یہ ہے غارت گری

بانگِ درا کی ترتیب کے وقت اقبال نے اس شعر کو نظم سے حذف کر دیا۔ ''صحرا نوردی'' کے تحت تیسرا شعر ، ابتدائی صورت میں یوں تھا:

ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا ہے پروا خرام
وہ گداے بے برگ و ساماں ، وہ سفر بے سنگ و میل

''زندگی'' کے تحت آخری شعر(یہ گھڑی محشر کی ہے ...) '' خضر راہ'' کے ابتدائی متن میں موجود نہیں تھا۔یہ ایک اور نظم '' کلاہِ لالہ رنگ'' کاآخری شعر تھا۔ بعد میں نظم کو متروک قرار دے کر یہ شعر '' خضر راہ '' میں شامل کر دیا گیا۔

''خضرراہ'' اقبال نے ۱۹۲۲ء میں لکھی۔ اس زمانے میں دنیاے اسلام کی حالت بد سے بد تر ہو چکی تھی۔ جنگِ عظیم دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے تباہی و مصیبت کا پیغام لائی تھی۔ سلطنتِ عثمانیہ بکھر گئی تھی، عرب دنیا مختلف ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی، جن پر

Downloaded From Tajassus.com

استعماری طاقتوں کے کٹھ پتلی شاہ حسین اور اس کے بیٹے دادِ حکمرانی دے رہے تھے۔ اعلانِ بالفور (۱۹۱۷ئ) کے ذریعے برطانیہ نے یہودیوں کو فلسطین میں صہیونی ریاست کے قیام کے لیے بنیاد فراہم کر دی تھی۔ ترکی کا اندرونی خلفشار بڑھ گیا تھا۔ مصطفی کمال اور ان کے ساتھیوں نے انقرہ میں متوازی حکومت قائم کر لی تھی۔ برائے نام خلافت چند دنوں کی مہمان نظر آتی تھی۔ بیرونی دباؤ بھی کم نہ تھا۔

ادھر ہندستان میں مسلمانوں کی حالت بہت قابلِ رحم تھی کیونکہ بہت سے لوگ تحریک ہجرت کی بے نظمی او ر راہ نمائوں کی بے تدبیری کا نتیجہ بھگت رہے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ امرتسر کے الم ناک سانحے میں جنرل ڈائر کی وحشیانہ فائرنگ سے سیکڑوں افراد ہلاک ہو گئے اور پنجاب میں مارشل لا نافذ ہو ا، اس سے ہندستانیوں کی مشکلا ت میں اور اضافہ ہوا۔

فکری جائزہ

زیر مطالعہ نظم میں اقبال نے، مختلف مسائل اپنے خیالات کے اظہار کے لیے خضر کے روایتی کردار کا سہارا لیا ہے۔

⋆خضر کی شخصیت:

خضر کی شخصیت کے بارے میں تاریخی اور ادبی روایات معروف تو ہیں مگر مستند نہیں اور ان کی روشنی میں کسی واضح نتیجے تک پہنچنا ممکن نہیں۔ قرآن و حدیث میں خضر کا تذکرہ موجود ہے اور یہ ماخذ زیادہ یقینی ، مستند اور معتبر ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ الکہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس واقعے کا تعلق اس دور سے ہے جب مصر میں بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم کا سلسلہ جاری تھا۔ قرآن پاک کے مطابق یہ واقعہ اس طرح ہے:

’’ (ذرا ان کو وہ قصہ سناؤ جو موسیٰ ؑ کو پیش آیا تھا)جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا تھاکہ ’’میں اپنا سفر ختم نہ کروں گا جب تک کہ دونوں دریاوں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ میں ایک زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوںگا‘‘۔ پس جب وہ ان کے سنگم پر پہنچے[غالباً موسیٰ ؑ کا یہ سفر سوڈان کی جانب تھا اور مجمع البحرین سے مراد وہ مقام ہے جہاں موجودہ شہر خرطوم کے قریب دریائے نیل کی دو بڑی شاخیں البحرالابیض اور البحر الارزق آکر ملتی ہیں۔ سیدابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن، جلد سوم، ص ۳۵]تو اپنی مچھلی سے غافل ہو گئے اور وہ نکل کر اس طرح دریا میں چلی گئی جیسے کہ کوئی سرنگ لگی ہو۔ آگے جاکر موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا:’’ لاؤ ہمارا ناشتا، آج کے سفر میں تو ہم بری طرح تھک گئے ہیں‘‘۔ خادم نے کہا: ’’آپ نے دیکھایہ کیا ہوا؟جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے، اس وقت مجھے مچھلی کا خیال

Downloaded From Tajassus.com

نہ رہا اور شیطان نے مجھ کو ایسا غافل کر دیا کہ میں اس کا ذکر (آپ سے کرنا) بھول گیا۔ مچھلی تو عجیب طریقے سے نکل کر دریا میں چلی گئی‘‘۔ موسیٰ نے کہا’’اس کی تو ہمیں تلاش تھی‘‘۔ چنانچہ وہ دونوں اپنے نقش قدم پر پھرواپس ہوئے اور وہاں انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا، جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔

’’ موسیٰ نے اس سے کہا:’’ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے بھی اس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟‘‘ اس نے جواب دیا:’’ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکتے اور جس چیز کی آپ کو خبر نہ ہو، آخر آپ اس پر صبر کربھی کیسے سکتے ہیں۔‘‘ موسیٰ نے کہا:’’ ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ ‘‘ اس نے کہا:’’ اچھا ، اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں، جب تک کہ میں خود اس کا آپ سے ذکر نہ کروں‘‘۔

اب وہ دونوں روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہوگئے تو اس شخص نے کشتی میں شگاف ڈال دیا۔ موسیٰ نے کہا :’’آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا تاکہ سب کشتی والوں کو ڈبودیں؟ یہ تو آپ نے ایک سخت حرکت کر ڈالی‘‘۔ اس نے کہا:’’ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے ‘‘؟ موسیٰ نے کہا:’’بھول چوک پر مجھے نہ پکڑیے ، میرے معاملے میں آپ ذرا سختی سے کام نہ لیں‘‘۔

ANS 05

زندگی

برتر از اندیشۂ سُود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی
اپنی دُنیا آپ پیدا کر اگر زِندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے، ضمیر کُن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پُوچھ
جُوئے شِیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھَٹ کے رہ جاتی ہے اک جُوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قُوّتِ تسخیر سے

Downloaded From Tajassus.com

گرچہ اک مٹّی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزمِ ہستی سے تُو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹّی کا اک انبار تُو
ٗختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تُو

پہلا ہی مصرعہ منظر کی ایک مکمل تصویر صرف تین پیکروں میں کھینچ کر رکھ دیتا ہے۔ پہلے پیکر میں شب سکوت افزا ہے، دوسرے میں اس سکوت افزائی کا اثر فضا پر یہ ہے کہ ہوا آسودہ ہے اور تیسرے میں سطح پر اثر یہ ہے کہ دریا نرم سیر ہے، ہوا کے لیے الف کا استعمال تین بار ہوا ہے جس میں دو بار لگاتار ممدودہ کی شکل میں اور پانی کے لیے رکا استعمال بھی تین بار ہوا ہے فضا کے کامل سکوت اور سطح کی پر سکون روانی کے لیے ان حروف کا استعمال موزوں ترین ہے، یہ تینوں پیکر ایک لفظ، سکوت افزا کا فیض ہے۔ شاعر نے رات کو محض ساکت نہیں کہا سکوت افزا کہا ہے یعنی وہ پرسکوت ہونے کے ساتھ ساتھ سکوت انگیز بھی ہے۔ اس طرح صرف آٹھ لفظوں میں رات کے سکوت کی موثر ترین تصویر کشی کے بعد دوسرے مصرعے میں منظر کو تصویر آب سے تشبیہ اس تمہید کے ساتھ دی جاتی ہے کہ نظر حیراں تھی نظر کی حیرانی تو مشاہدہ کا رد عمل ہے جبکہ منظر کا مشاہدہ صرف تصویر آب کی نشاندہی کرتا ہے۔ بس ایک مختصر سی فقط دو لفظوں کی بالکل سادہ ترکیب مصرع اول کی تصویر پر ایسا پر اثر حکم لگاتی ہے کہ خود تصویر کے اندر اس کی تکمیل ہونے کے باوجود ایک اضافہ سا ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ یہ تشبیہ کا بہترین مصرف ہے، بعد کا شعر ’’ تصویر آب‘‘ کی ایک تفصیل ہے اور اس کے بعد کا شعر سکوت افزا کی تفصیل۔ ان تفصیلات سے اس مکمل تصویر میں تو فی الواقع اضافہ نہیں ہوتا جو زیر بحث شعر میں کھینچی گئی ہے۔ مگر اس تصویر کے اثرات میں ضرور توسیع ہوتی ہے۔

بہرحال، منظر فطرت کا یہ طلسم پانچویں ہی شعر میں ٹوٹ جاتا ہے اور نہایت ڈرامائی گرچہ تمہید کے مفہوم کے لحاظ سے متوقع طور پر خواجہ خضر کی شخصیت منظرپر ابھرتی اور جزو منظر بن جاتی ہے:

دیکھتا کیا ہوں کہ وہ پیک جہاں پیما خضر
جس کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب
کہہ رہا ہے مجھ سے اے جویائے اسرار ازل
چشم دل وا ہو تو ہے تقدیر عالم بے حجاب

Downloaded From Tajassus.com

خضر کی شخصیت کا خاکہ صرف دو پیکروں پر مشتمل ایک ہی شعر میں مرتب ہو جاتا ہے پہلے مصرعے میں ان کو'' پیک جہاں پیما'' کہا گیا ہے اور دوسرے میں ان کے متعلق بیان ہے کہ '' جس کی پیری میں مانند سحر رنگ شباب'' یہ دونوں پیکر خضر کی کردار نگاری کے لیے تقریباً کافی ہیں چونکہ وہ جہاں گرد مشہور ہیں لہٰذا انہیں '' پیک جہاں پیما'' کہا گیا اور چونکہ ان کے بارے میں غیر معمولی طول عمر کی روایت مروج ہے لہٰذا ان کی پیری میں مانند سحر رنگ شباب کا بیان دیا گیا، یعنی جس طرح صدیوں سے ایک ہی طرح بہر روز طلوع ہونے کے باوجود تازگی و شادابی کا وہ مظہر ہے جسے شباب کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے، اسی طرح خضر بھی صدیوں پر محیط طول عمر کے باوجود جوانوں کی طرح چستی و مستعدی سے پیہم جہاں گردی کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد کا شعر مکالمے کا آغاز ہے، جو خضر کی طرف سے ہوتا ہے۔ ایک مصرعے میں خضر کا پہلا ہی بیان ان کے کردار او رشخصیت کا ایک اور گوشہ ہماری نگاہوں کے سامنے لے آتا ہے۔ قبل کے پیکروں میں جو شاعر کے بیان پر مشتمل تھے، خضر کی ظاہری شخصیت کا خاکہ کھینچا گیا تھا، لیکن اب ان کا صرف ایک ملفوظ ان کے کردار کی باطنی حقیقت کو آشکار کر دیتا ہے:

چشم دل وا ہو تو ہے تقدیر عالم بے حجاب

خود خضر کی نگاہوں پر مروجہ روایات کے لحاظ سے، تقدیر عالم بے حجاب ہے اور وہ اس بصیرت کا یہ نسخہ شاعر کو بتاتے ہیں کہ چشم دل وا ہو یعنی انسان کی روح اپنی تمام گہرائیوں کے ساتھ بیدار ہو جائے تو دل کے اندر وہ روشنی پیدا ہو جاتی ہے جو مظاہر حیات اور واقعات عالم کے پیچھے مضمر حقائق کے مشاہدے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ خضر کا یہ قول جس طرح ان کے کردار کے مطابق ہے اسی طرح شاعر کی متجسس طبیعت کے تقاضے کا جواب ہے۔ چنانچہ وہ اقرار کرتا ہے:

دل میں یہ سن کر بپا ہنگامہ محشر ہوا

میں شہید جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا

شاعر کا یہ بیان اس کی کردار نگاری بھی اس کی ہی زبان سے کرتا ہے اور نظم کے موضوع و مقصد کے اظہار کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

Downloaded From Tajassus.com